رضوان اللہ

کتاب و حکمت

کتاب و حکمت کے الفاظ قرآن مجید میں کئی مقامات پر آئے ہیں؛ الگ الگ سے بھی اور ایک ساتھ بھی۔ جن آیتوں میں یہ الگ آئے ہیں وہاں ان کے معنی کی تعیین میں مسئلہ پیدا ہوا اور نہ ہی کوئی قابل ذکر اختلاف واقع ہوا ہے، مگر جہاں یہ ایک دوسرے پر عطف ہو کر آگئے ہیں وہاں کچھ علمی مسائل پیدا ہو گئے اور علما کے مابین اچھا خاصا اختلاف رائے بھی ہو گیا ہے۔ ان کے استعمال کی اس مخصوص صورت میں، اہل تفسیر نے ان کے کیا معانی بیان کیے ہیں، اور جو معانی بیان کیے ہیں وہ قرآن کی زبان، اس کے سیاق اور اس کے عرف سے کس حد تک موافق ہیں؛ اس تحریر میں ہمارے پیش نظر انھی سب چیزوں کا مطالعہ کرنا ہے۔ اور اس کے بعد یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس معاملے میں وہ کون سی رائے ہے جو اپنی علمی حیثیت میں اس قدر وقیع ہے کہ وہ دیگر آرا سے فائق ہو جاتی اور بجا طور پر تقاضا کرتی ہے کہ اسے ہی قرین صواب سمجھا جائے اور اسے ہی قبولیت کی سند عطا کی جائے۔

یہ الفاظ اگرچہ دس آیتوں میں ایک دوسرے پر عطف ہو کر آئے ہیں، مگر اس تحریری مطالعے کے لیے ہم صرف ایک آیت کا انتخاب کر رہے ہیں۔ صرف ایک آیت کا انتخاب کرنا اور دس میں سے اسی ایک کو ترجیح دینا، اس کی وجہ بھی محض یہ ہے کہ مذکورہ الفاظ اپنی اس صورت میں پہلی بار اسی میں استعمال کیے گئے ہیں، اور ہر مفسر نے اسی کے تحت اپنی تحقیق بیان کر دی اور پھر اسی تحقیق کو باقی نو آیتوں میں بھی بغیر کسی تبدیلی کے برقرار رکھا ہے۔ وہ ایک آیت یہ ہے:

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ. (البقرہ ۲:۱۲۹)	”اے ہمارے پروردگار، اور انھی میں سے تو ان کے اندر ایک رسول اٹھا جو تیری آیتیں انھیں سنائے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاکیزہ

بنائے۔ اس میں شبہ نہیں کہ تو بڑا زبردست ہے، بڑی
حکمت والا ہے۔''

کتب تفسیر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ زیر بحث الفاظ کا مدعا بیان کرنے کے لیے جو آرا بھی اب تک اختیار کی گئی ہیں وہ سب کی سب، اپنے تنوع کے باوجود، بنیادی طور پر دو طرح کی ہیں: ایک کے مطابق یہ الفاظ اکٹھے ہو کر آئیں یا پھر علیحدہ سے استعمال ہوں، دونوں صورتوں میں اپنا لغوی مفہوم ہی بیان کرتے ہیں۔ دوسری کے مطابق جب یہ ایک دوسرے پر عطف ہو جائیں تو لغوی مفہوم سے ذرا سا اوپر اُٹھ جاتے اور اپنے مصداقات اور اصطلاحی معانی کا بیان کرنے لگتے ہیں۔ اس فرق کا لحاظ رہے تو اس مسئلے کی تمام آرا کو صرف دو قسموں کے تحت پڑھا جا سکتا ہے۔

قسم اول

اس سلسلے کی ایک رائے وہ ہے جو ابن عباس[1] اور ابن جریج نے تفسیر کی کتابوں میں نقل کی ہے۔ اس کے مطابق آیت میں 'الکتاب' کا لفظ اصل میں 'کتب یکتب' سے اسی طرح مصدر ہے، جس طرح کہ 'الکتابة' ہے، اور اسی کے مانند اس کا معنی بھی لکھنا اور تحریر کرنا ہی ہے۔ الفاظ کو لغوی انداز میں دیکھنے کا یہی وہ طرز ہے جس پر بعض دوسرے علما نے 'الحکمة' کا معنی بھی بیان کیا ہے۔ ان کے مطابق 'الحکمة' سے مراد اصل میں وہ دانائی ہے جو صحیح فیصلہ کرنے یا کسی قول اور عمل میں صحیح رویہ اپنانے، یا ابن زید کے الفاظ میں اچھائی کی رغبت اور برائی سے نفرت پیدا کرنے کے لیے از حد ضروری ہوتی ہے۔ ان سب آرا کی روشنی میں مذکورہ آیت کا ترجمہ کیا جائے تو وہ یوں ہوتا ہے: ''اے ہمارے پروردگار، اور انھی میں سے تو ان کے اندر ایک رسول اٹھا جو انھیں لکھنا بھی سکھائے اور انھیں دانائی کا علم بھی دے''۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ کتاب کا لفظ مصدری معنی میں بھی آ جاتا اور اس وقت اس کا معنی لکھنا اور تحریر کرنا ہی ہوتا ہے، اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ حکمت کا اصل معنی دانائی اور دانش مندی ہی ہے؛ مگر لغت کے ساتھ ساتھ آیت کا سیاق اور پھر دین کی حقیقت اور اس کے مقاصد کو بھی اگر سامنے رکھا جائے تو یہاں 'الکتاب' سے کتابت اور 'الحکمة'

---

[1] اگر اس رائے کی نسبت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف صحیح ہے تو ہمارے خیال میں یہ بات انھوں نے آل عمران کی آیت ۴۸ کے بارے میں فرمائی ہوگی اور مفسرین نے اسے ان کی مستقل رائے سمجھ کر یہاں بھی بیان کر دیا ہوگا۔ بہر حال، ہم نے اسے یہاں ابن ابی حاتم کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سے دانائی مراد لینے میں کچھ موانع حائل ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

پہلا نبی اس لیے نہیں بھیجے جاتے کہ وہ لوگوں کی مادی ضرورتیں پوری کریں اور نہ ہی اس لیے کہ وہ کسی فلسفی اور حکیم کی طرح انھیں دانائی کے اسباق پڑھایا کریں کہ یہ سب دنیوی امور ہیں اور ان کے لیے انسان کو ودیعت کی گئی عقل و دانش ہی کفایت کرتی ہے۔ انھیں تو اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ وہ آکر اِتمام ہدایت کریں[۲] اور اس ہدایت کو اس قدر واضح کر دیں کہ خدا کے حضور کسی کے لیے بھی عذر کرنے کا کوئی موقع نہ رہ جائے۔[۳] اب نبیوں کی بعثت کے یہ مقاصد اگر پیش نظر رہیں تو پھر ظاہر ہے، اُس رائے کو مان لینا ممکن نہیں رہتا جس کے مطابق ان عظیم ہستیوں کو شاید اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ وہ آئیں اور اپنی قوم کو خواندہ بنائیں، اور آخر کار اُن میں لکھاری اور دانش ور قسم کی مخلوق پیدا کر ڈالیں۔

دوسرا یہ کہ مذکورہ آیت اصل میں حضرت ابراہیم اور ان کے فرزند حضرت اسماعیل علیہما السلام کی دعا کا ایک جز ہے جو انھوں نے اس وقت مانگی ہے جب پروردگار عالم کی رضا جوئی کے لیے وہ اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ آئے اور اپنی ذریت میں سے ایک حصے کو عرب کے صحرا میں بسا رہے ہیں۔ نیز یہ بھی واقعہ ہے کہ وہ اس جگہ خدائے واحد کی عبادت اور اس کی ہدایت کے فروغ کے لیے ایک مسجد بھی بنا رہے ہیں۔ ان عظیم مقاصد اور احوال کی اگر رعایت رہے تو ان حضرات کا اپنی دعا میں اس رسول کو طلب کرنا تو سمجھ میں آتا ہے جو آکر انھی کے اہداف کو پورا کرے، مگر اس شخص کی طلب کرنا کسی بھی صورت سمجھ میں نہیں آتا جو مذکورہ اہداف کے بجائے اپنی قوم کی خواندگی کا لائحۂ عمل لے کر آئے اور جس کا آنا عبادت گاہ کے بجائے کسی اکیڈمی یا پھر کسی اسکول سے زیادہ مناسبت رکھتا ہو۔

تیسرا یہ کہ ہمیں علم ہے کہ ان بزرگوں کی دعا قبول ہوئی اور قرآن مجید نے بھی اس قبولیت کی خبر یہ کہہ کر دی کہ وہ رسول آ چکا ہے اور انھی اوصاف کے ساتھ آ چکا ہے[۴] جن کی خواہش انھوں نے اپنے رب سے کی تھی۔ اب قرآن مجید کی اس خبر کو اگر مانا جائے، اور ماننا بھی چاہیے، تو پھر اس رائے کو مان لینا ممکن نہیں رہتا، جس کے مطابق یہ دعا، کم سے کم، خواندگی کے معاملے میں قبول نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ وہ رسول اُمّی تھے۔ خود لکھنا پڑھنا جانتے تھے[۵] اور نہ زندگی بھر کسی ایک فرد کو انھوں نے یہ سب کچھ سکھایا ہی۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۲ الانبیاء ۲۱: ۷۳۔

۳ الانعام ۶: ۱۳۰، ۱۳۱۔

۴ الجمعہ ۶۲: ۳۔

۵ العنکبوت ۲۹: ۴۸۔

قسم دوم

بعض علما کے نزدیک 'الکتاب' کا لفظ یہاں تحریر کرنے کے معنی میں نہیں، بلکہ اپنے اصطلاحی اطلاق، یعنی قرآن مجید کو بیان کرنے کے لیے آیا ہے۔ اسی طرح 'الحکمۃ' کا لفظ محض صحیح فیصلے کے لیے نہیں، بلکہ حق و باطل میں صحیح فیصلے کے لیے اور کسی بھی قول و عمل میں صحیح رویے کے لیے نہیں، بلکہ دینی قول و عمل میں صحیح رویے کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ان لفظوں کی تفسیر میں یہی اقوال ہیں جو اپنی کامل صورت میں جب ایک راے میں متعین ہو گئے تو وہ راے ایسی مشہور اور مقبول ہوئی کہ زمانۂ حال اور سابق کے تمام علما نے اسے اختیار کر لیا، یہاں تک کہ اسے دنیاے تفسیر میں حرف آخر اور اس کے مقابل میں ہر دوسری راے کو جادۂ مستقیم سے ہٹی ہوئی تصور کر لیا گیا[6]۔ یہ راے حدیث اور فقہ کے جید عالم، امام شافعی کی راے ہے[7] اور ان کی کتاب ''الرّسالۃ'' اور ''احکام القرآن[8]'' میں تفصیل سے دیکھ لی جا سکتی ہے۔

شافعی کی راے

ان کے نزدیک مذکورہ آیت میں 'الکتاب' سے مراد تو قرآن مجید ہی ہے، جیسا کہ اہل تفسیر کا عمومی موقف ہے، مگر 'الحکمۃ' کا لفظ اپنے کامل مصداق، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے لیے آیا ہے۔ اس دعوے کی دلیل میں جو کچھ ان کی اور ان کے اصحاب کی طرف سے کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ 'الکتاب' کے بعد 'الحکمۃ' کا بیان چونکہ واو عطف کے ساتھ ہوا ہے جو کہ مغایرت پر دلالت کرتا ہے، اس لیے اس سے مراد کتاب نہیں، بلکہ کوئی دوسری چیز ہے۔ اور وہ دوسری چیز سنت کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ دین میں خدا کے ساتھ اگر کسی کی اطاعت کا حکم ہے تو وہ اس کے رسول ہی کی اطاعت کا حکم ہے۔ اس راے کے مطابق آیت کا ترجمہ یوں ہوتا ہے: اے ہمارے پروردگار، اور انھی میں سے تو ان کے اندر ایک رسول اٹھا جو تیری آیتیں انھیں سنائے اور انھیں قرآن اور سنت کی تعلیم دے۔

---

[6] یہ بھی اس راے کی شہرت اور قبولیت ہی کا شاخسانہ ہے کہ اس کے سب قائلین کا تذکرہ اگر ہم نام لے کر کریں گے تو یہ ایک طرح سے کار عبث ہی سمجھا جائے گا۔

[7] اہل علم بالعموم، اسے امام شافعی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، وگرنہ قتادہ اور حسن بصری ان سے بھی پہلے، اسی راے کے قائل ہیں۔

[8] ''الرسالۃ'' کی طرح ''احکام القرآن''، امام شافعی کی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے، بلکہ امام بیہقی نے بڑی ہی محنت شاقہ کے ساتھ اسے بعد کے زمانوں میں مرتب کیا ہے۔

یہ راے اس لحاظ سے تو صحیح ہے کہ وہ تمام اعتراضات جو سابقہ راے پر وارد ہوئے تھے وہ سب کے سب اس پر وارد نہیں ہوتے۔ مثلاً، اس پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ دین کی حقیقت اور اس کے مقاصد سے ناواقفیت پر مبنی راے ہے، اس لیے کہ قرآن وسنت انسان کی دنیوی نہیں، بلکہ دینی ضرورت ہی ہیں۔ اس پر یہ کہنا بھی ممکن نہیں ہے کہ دعاے سیدنا ابراہیم وسیدنا اسماعیل اور اس راے کے مصداقات میں کوئی بُعد ہے، اس لیے کہ ان سب میں ایک واضح مناسبت، بہرحال، پائی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ 'الکتاب' سے قرآن مراد لے لیا جائے تو ایسا کر لینے میں بھی، کم سے کم، لفظ کی حد تک کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مگر اس سب کے باوجود، کچھ سوالات پھر بھی ایسے ہیں جو اس راے پر بھی سر اٹھا لیتے اور ان کا جواب نہ ملے تو طبیعت میں خلجان پیدا کیے رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

اس راے میں 'الحکمة' کو سنت سے تعبیر کر لینے کی تقریب محض اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ پہلے یہ سمجھ لیا گیا کہ 'الکتاب' سے مراد قرآن ہی ہے اور یہ بات گویا ایک طے شدہ حقیقت اور ناقابل انکار سچائی ہے۔ حالاں کہ 'الحکمة' سے مراد سنت ہے یا کچھ اور، یہ تو بعد کی بات ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں 'الکتاب' سے قرآن ہی مراد ہے، خود اس دعوے کی دلیل کیا ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ اسی قرآن میں یہ لفظ ایک سے زیادہ معانی کے لیے آیا ہے اور ان مختلف معانی کے ہوتے ہوئے یہ جائز ہی نہیں ہے کہ بنا کسی دلیل اور قرینے کے ان میں سے ایک کو ترجیح دے کر پھر اسے ہی لفظ کا حتمی مصداق قرار دے لیا جائے، یہاں تک کہ اسی کی روشنی میں بعد والے لفظ کا مصداق بھی متعین کیا جائے۔ تاہم، ہو سکتا ہے اس کے جواب میں کوئی یہ کہہ دے کہ 'الکتاب' سے متصل پہلے تلاوت آیات کا ذکر ہو جانا، اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ یہ لفظ لازمی طور پر یہاں قرآن ہی کے معنی میں ہے۔ اس پر پھر یہ سوال ہوگا کہ جن مقامات پر ان کی یہ ترتیب بدل گئی اور دونوں کے درمیان فصل آ گیا ہے، وہاں بھی اس سے قرآن مراد لے لینے کا آخر کیا قرینہ ہے؟[9] اور یہ بھی کہ ان جگہوں پر جہاں سرے سے آیات کا ذکر ہی نہیں، وہاں کون سا ایسا قرینہ ہے جس کی بنیاد پر 'الکتاب' کو پھر بھی قرآن کا عین متبادل سمجھ لیا جا سکتا ہے[10]۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس بات میں تو کوئی بحث نہیں کہ واو یہاں مغایرت کے لیے ہے، اس لیے لازم ہے کہ 'الحکمة' کو 'الکتاب' سے الگ چیز سمجھا جائے، مگر وہ الگ چیز کیا سنت ہی ہے، اس دعوے کی مذکورہ راے میں کیا دلیل ہے؟ اور اس سلسلے میں ان کی طرف سے یہ کہہ دینے کی بھی کیا حیثیت ہے کہ اللہ کے ساتھ چونکہ اس کے

۹؎ جیسے اس آیت میں: 'یتلوا علیکم اٰیتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمة' (البقرہ ۲: ۱۵۱)۔

۱۰؎ مثال کے طور پر اس آیت میں: 'وانزل اللّٰه علیك الکتاب والحکمة' (النساء ۴: ۱۱۳)۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

رسول کی اطاعت بھی لازم کی گئی ہے، اس لیے 'الحکمة' یہاں سنّت ہی کے مفہوم میں ہے؟ اس لیے کہ رسول اللہ کی سنت کا واجب الاطاعت ہونا اور اس آیت میں 'الحکمة' سے مراد سنت ہونا، دونوں باتیں ہرگز ایسی نہیں ہیں کہ ایک سے دوسرے پر دلیل لائی جا سکے۔[11]

تیسرا سوال یہ ہے کہ سنت سے مراد اگر عملی ہدایات ہیں تب بھی اور اگر اس سے مراد قرآن مجید کی تفہیم و تبیین ہے تب بھی، اس کے اور 'الحکمة' کے درمیان کون سا معنوی اشتراک ہے کہ جس کی بنیاد پر انھیں ایک دوسرے کا مصداق قرار دیا جا سکے؟ اس لیے کہ لفظ اور اس کے مصداق میں کچھ نہ کچھ اشتراک ضرور ہوا کرتا ہے، جیسے قرآن اور 'الکتاب' کے لفظ میں وہ مشترک عنصر بالکل نمایاں ہے کہ جس کی بنیاد پر ایک کو دوسرے کی مراد قرار دے لینا پھر بھی روا ہو سکتا ہے۔ بلکہ 'الحکمة' اور سنت کا معاملہ تو یہ ہے کہ یہاں کسی اشتراک کا پایا جانا تو کجا، 'الحکمة' کا لغوی مفہوم ہی اس بات سے ابا کرتا ہے کہ اس کو رائج شدہ عمل یا کسی شرح و وضاحت کا مصداق سمجھ لیا جا سکے۔[12] اور اگر کہیں سنت سے عملی ہدایات اور تفہیم و تبیین کے بجاے ہر نوع کی احادیث مراد لے لی جائیں تو صورت حال مزید غیر معقول ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ ان احادیث میں صرف حکمت ہی نہیں، رسول اللہ کا اسوۂ حسنہ، تاریخ عرب، اخبار غیب اور احوال آخرت سمیت بہت سی دوسری چیزیں بھی پائی جاتی ہیں؛ اور ان سب کو حکمت کے جزئی نام سے موسوم کر دینا، کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے۔ البتہ، یہاں ممکن ہے کہ کوئی یہ کہہ دے کہ جس طرح نماز کے اجزا مثلاً، سجدہ اور رکوع بول کر بعض اوقات ہم پوری نماز مراد لے لیتے ہیں، اسی طرح سنت کا ایک جز چونکہ حکمت بھی ہے، اس لیے اس ایک جز کو بول کر ہم پوری سنت بھی مراد لے سکتے ہیں۔ اس پر پھر یہ سوال اٹھے گا کہ حکمت کے یہ مضامین صرف سنت کے ساتھ تو مخصوص نہیں، یہ تو قرآن میں بھی پائے جاتے، بلکہ احادیث کی نسبت زیادہ پائے جاتے ہیں تو پھر کیا وجہ ہوئی کہ مذکورہ آیت میں قرآن کے لیے 'الکتاب' کا علیحدہ لفظ لایا گیا؟ اور کیوں نہ اسے بھی 'الحکمة' کے تحت ہی بیان کر دیا گیا؟

اس راے پر چوتھا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ البقرہ کی زیر بحث آیت میں تو نہیں، مگر ایک اور جگہ 'الحکمة' کے ساتھ جو 'انزل' کا فعل آ گیا ہے[13] تو اس کے ہوتے ہوئے کیا یہ ممکن بھی ہے کہ اس سے سنت یا پھر اس کے ایک ماخذ،

---

[11] سوال یہ ہے کہ سنت کے واجب الاطاعت ہونے کے جب بہت سے دلائل ہمارے پاس موجود ہیں تو ان کے ہوتے ہوئے کیا لازم ہے کہ اسے پھر بھی حکمت ہی کے لفظ سے ثابت کیا جائے؟

[12] کچھ حضرات نے حکمت کا معنی مصالح اور منافع سے کر کے اس میں اور سنت میں ایک قدرے مشترک بیان کرنے کی کوشش بھی کی ہے تو اس سلسلے میں واضح رہے کہ یہ اس لفظ کے مولد معانی ہیں۔

www.javedahmadghamidi.org

یعنی حدیث کومراد لیا جا سکے؟ اس لیے کہ 'انزل' کا فعل حدیث اور سنت کے لیے کسی طرح بھی موزوں نہیں ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کے لیے قرآن نے بھی اس فعل کو استعمال نہیں کیا ہے۔[14] تاہم اس پر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ 'انزل' کا فعل چاہے حدیث وسنت کے لیے موزوں نہیں، مگر اسے ان کے ساتھ بالکل اسی طرح لایا گیا ہے جس طرح قرآن ہی میں لوہے اور اَنعام[15] کے ساتھ اسے لایا گیا ہے، اور اس سے مقصود حدیث وسنت کے ماخذ کا پتا دینا اور ان کے ذریعے سے ہم پر ہونے والی عنایت خاص کو بیان کرنا ہے۔ اس دلیل کو احتمال کے درجے میں سہی، بہر حال مان لیا جا سکتا تھا، مگر ایک جگہ 'الحکمة' کے ساتھ جب 'یتلی' کا فعل آ گیا تو اس کا بھی کوئی موقع نہ رہا۔[16] وہاں جب یہ فرما دیا گیا کہ اے نبی کی بیویو، اللہ کی ان آیات اور اس حکمت کا ذکر کرو جو تمھارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں تو اس کے بعد یہ بالکل واضح ہو گیا کہ 'الحکمة' جو کچھ بھی ہو، مگر حدیث وسنت نہیں ہے۔ اس لیے کہ حدیث وسنت ایسی شے نہیں کہ جس کی تلاوت کی جاتی ہو اور نہ ہی کسی تاریخی شہادت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ کے گھرانے میں اس کی تلاوت کی جایا کرتی تھی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

حمیدالدین فراہی کی راے

اس مسئلے میں ایک راے وہ ہے جسے قرآنی علوم کے جید عالم، اس کتاب کے اسرار سے حد درجہ آشنا اور اس کی حکمت کے بلند پایہ عارف، امام حمیدالدین فراہی نے بیان کیا ہے۔ ان کے شاگرد، مولانا امین احسن اصلاحی بھی ''تدبر قرآن'' میں اسے ہی بیان کرتے[17] اور خود مولانا کے تلمیذ خاص، جناب جاوید احمد صاحب غامدی بھی ''البیان''

۱۳؎ 'وانزل اللّٰه علیکم الکتاب والحکمة' (النساء ۴:۱۱۳)۔

۱۴؎ قرآن مجید میں حدیث کے ساتھ تنزیل کا فعل جو آیا بھی ہے تو وہاں حدیث سے مراد حدیث نبوی نہیں، بلکہ اس کا لغوی مفہوم ہی ہے۔

۱۵؎ آیات کے حوالے بالترتیب، یہ ہیں: الحدید ۵۷: ۲۵، الزمر ۳۹: ۶۔

۱۶؎ 'واذکرن مایتلٰی فی بیوتکن من اٰیٰت اللّٰه والحکمة' (الاحزاب ۳۳: ۳۴)۔

۱۷؎ یاد رہے، مولانا نے البقرہ، آیت ۱۲۹ کی تفسیر میں تو اس راے کے بجاے عمومی راے ہی کو بیان کیا ہے، مگر اسی سورہ کی آیت ۲۳۱ اور اس کے بعد کی باقی تمام آیات میں امام فراہی کی راے کو اختیار کر لیا ہے۔ ہمارے خیال میں مولانا کا یہ عمل کوئی فکری ارتقا ہے اور نہ اپنے استاذ سے کسی طرح کا اختلاف ہے، بلکہ محض ایک تسامح ہے جو ''تدبر قرآن'' کی پہلی جلد کی تسوید کے دوران میں صحت کے کچھ مسائل کی وجہ سے ان سے ہو گیا ہے۔ نیز ہمارا یہ کہنا محض قیاس بھی نہیں کہ واقفان حال بھی کچھ ایسا ہی بیان کرتے ہیں۔

میں اسے ہی اختیار کرتے ہیں۔اس راے کے مطابق کتاب وحکمت کے الفاظ قرآن مجید میں جب ایک دوسرے کے ساتھ مل کر استعمال ہوں تو اول الذکر سے کتابت یا پھر قرآن مجید نہیں، بلکہ قانون اور شریعت کے احکام مراد ہوتے ہیں اور ثانی الذکر سے دانائی اور سمجھ داری یا پھر حدیث اور سنت نہیں، بلکہ ایمان اور اخلاق مراد ہوتے ہیں۔

زیر بحث الفاظ کی تحقیق میں جو آرا ابھی اب تک بیان ہوئی ہیں، ہمارے نزدیک مذکورہ راے ان سب میں سے درست اور مبنی برحق، اور اس میں بیان کردہ مصداقات ان الفاظ کی صحیح ترین تعبیر ہیں۔یہی وہ راے ہے جو اپنے اندر واضح تر علمی وفکری بنیادیں رکھتی، اس میں دین کی حقیقت سے گہری واقفیت پائی جاتی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں قرآن مجید کی تصریحات سے اعراض یا پھر انحراف نہیں، بلکہ ان کے ساتھ صد فی صد مطابقت پائی جاتی ہے۔تاہم اس پر دو بڑے اہم سوال ہیں جن کا جواب اگر دے دیا جائے تب ہی علمی دنیا میں اس کا صائب اور معقول ہونا تسلیم کیا جا سکتا ہے: پہلا یہ کہ اس راے میں بیان کردہ کتاب وحکمت کے مطالب کی قرآن مجید میں بنیاد کیا ہے؟ دوسرا یہ کہ جب یہ ایک دوسرے پر عطف ہو کر آئیں تو اس بات کی کیا دلیل ہے کہ ان کے معانی وہی ہوں گے جو اس راے میں مذکور ہوئے ہیں؟ ان دونوں سوالوں کے جواب جو امام فراہی کی کتاب، ''مفردات القرآن'' میں بیان ہوئے اور انھی کی توضیح میں کچھ مزید اضافوں کے ساتھ بیان ہو سکتے ہیں، وہ کچھ یوں ہیں:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

کتاب کا معنی

کتاب کا لفظ قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔مثال کے طور پر آیت قرآنی 'لولا کتاب من اللّٰه سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم[18]' میں یہ قضا اور فیصلے کے لیے اور 'یایّہا الملؤا انّی القی الی کتاب کریم[19]' میں یہ مکتوب، یعنی خط کے لیے استعمال ہوا ہے۔'ولا اصغر من ذٰلك ولا اکبر الا فی کتاب مبین[20]'۔میں یہ کتاب کے لیے آیا ہے تو 'الم، ذٰلك الکتاب[21]' میں یہ صرف کتاب کے لیے نہیں، بلکہ خدا کی کتاب کے لیے آیا ہے۔اسی طرح آیت 'قال الذی عندہ علم من الکتاب[22]' میں یہ محض قانون

۱۸؎ ''اگر اللہ کی طرف سے 'فیصلہ' نہ کر دیا گیا ہوتا تو جو روش تم نے اپنائی اس کے باعث ایک بڑا عذاب تمھیں آ کر رہتا'' (الانفال ۸: ۶۸)۔

۱۹؎ ''اے اہل دربار، میری طرف ایک گراں قدر 'خط' گرایا گیا ہے'' (النمل ۲۷: ۲۹)۔

۲۰؎ ''نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی کوئی چیز ہے مگر وہ ایک واضح 'کتاب' میں درج ہے'' (یونس ۱۰: ۶۱)۔

۲۱؎ ''یہ سورہ الم ہے، یہ 'کتاب الٰہی' ہے'' (البقرہ ۲: ۱-۲)۔

کے معنی میں استعمال ہوا ہے، مگر 'و لا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب اجله[23]' میں یہ خاص قانون شرعی کے لیے استعمال ہوا ہے؛ اور اس لفظ کا یہ وہی معنی ہے جس کا مذکورہ رائے میں دعویٰ کیا گیا ہے، بلکہ اس مخصوص معنی کے لیے وہ آیت تو بالکل ہی واضح ہے جس میں مردار، خون، سور کے گوشت اور غیر اللہ کے ذبیحے کے بارے میں قانون شرعی بیان کرنے کے بعد اس لفظ کو یوں لایا گیا ہے: 'ان الذین یکتمون ما انزل اللّٰہ من الکتاب[24]'۔ غرض یہ کہ ان تمام حوالوں سے یہ بات آخری درجے میں ثابت ہو جاتی ہے کہ جس طرح 'الکتاب' سے کئی دوسرے مفاہیم مراد لیے جاتے ہیں، اسی طرح قانون اور پھر اسی کا ایک مصداق، یعنی شریعت کا قانون بھی اس سے مراد لیا جاتا ہے۔

حکمت کا معنی

یہ لفظ بھی قرآن مجید میں کئی مطالب کے لیے استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر آیت قرآنی 'و شددنا ملكه و اتينه الحكمة[25]' میں اس کا مطلب قوت فیصلہ ہے۔ 'ادع الى سبيل ربك بالحكمة[26]' میں اس سے مراد دلیل و برہان ہے۔ 'و من يوت الحكمة فقد اوتى خيرا كثيرا[27]' میں اس کا معنی دانائی اور سمجھ داری ہے۔ اور 'و لقد اتينا لقمٰن الحكمة ان اشكر لله[28]' میں یہ اس دانائی کے لیے آیا ہے جو انسان کے اچھے خلق کا باعث ہوا کرتی ہے۔ اب جہاں تک اس لفظ کے ان معنوں کا ذکر ہے جو مذکورہ رائے میں بیان ہوئے ہیں، یعنی ایمان اور اخلاق تو قرآن مجید کی روشنی میں ان کی تعیین اس طرح ہوتی ہے:

جس طرح قرآن میں 'الکتاب' کا معنی واضح ہوا ہے، یعنی پہلے شریعت کے قانون کا بیان ہوا اور پھر اس کے

22؎ ''جس کے پاس 'قانون' کا علم تھا اس نے کہا'' (النمل ۲۷: ۴۰)۔

23؎ ''اور نکاح کا فیصلہ اس وقت تک نہ کرو جب تک 'قانون' اپنی مدت پوری نہ کر لے'' (البقرہ ۲: ۲۳۵)۔

24؎ ''بے شک جو لوگ اس 'قانون شرعی' کو چھپاتے ہیں جسے اللہ نے اتارا ہے'' (البقرہ ۲: ۱۷۴)۔

25؎ ''ہم نے اس کی سلطنت مضبوط کر دی تھی اور اس کو 'قوت فیصلہ' عطا فرمائی تھی'' (صٓ ۳۸: ۲۰)۔

26؎ ''اپنے پروردگار کے راستے کی طرف 'دلائل و براہین' کے ساتھ دعوت دو'' (النحل ۱۶: ۱۲۵)۔

27؎ ''اور جسے یہ 'فہم' دیا گیا، اسے تو درحقیقت خیر کثیر کا ایک خزانہ دے دیا گیا'' (البقرہ ۲: ۲۶۹)۔

28؎ ''ہم نے لقمان کو 'دانائی' عطا کی تھی کہ اللہ کے شکر گزار رہو'' (لقمان ۳۱: ۱۲)۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

لیے لفظ کتاب کا استعمال ہو گیا، اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں انسانی اخلاق کے فضائل اور اس کے رذائل تفصیل سے بتا دینے کے بعد جب یہ کہہ دیا گیا: 'ذلك مما اوحی اليك ربك من الحكمة'[29]، تو یہاں بھی آپ سے آپ واضح ہو گیا کہ 'الحكمة' کا ایک مطلب اخلاق بھی ہے۔

'الحكمة' کے دوسرے معنی، یعنی ایمان کی بھی قرآن مجید نے ایک جگہ وضاحت کر دی ہے، اور اس کے لیے تصریف آیات کا وہ عمل کیا ہے جس میں ایک لفظ کو ایک جگہ بیان کیا جاتا اور دوسری جگہ اس کا متبادل رکھ کر اس کا معنی و مفہوم کھول دیا جاتا ہے۔ مثلاً، آیت 'تظاهرون عليهم بالاثم والعدوان'[30] میں 'اثم' اور 'عدوان' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان دونوں کے مفہوم کو اس طرح کھولا ہے کہ ایک جگہ 'اثم' کے بجائے 'ظلم'[31] کا لفظ اور ایک جگہ 'عدوان' کے بجائے 'البغی'[32] کا لفظ رکھ دیا ہے، اور اس طرح یہ واضح کر دیا ہے کہ اول الذکر سے مراد حق تلفی اور دوسروں کا حق دبا لینا ہے اور ثانی الذکر سے مراد دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرنا ہے۔ سو تصریف آیات کے اسی طرز پر، قرآن مجید نے آیت 'ما كنت تدری ما الكتاب ولا الايمان'[33] میں 'الحكمة' کا لفظ حذف کیا اور اس کی جگہ 'الايمان' کا لفظ استعمال کر دیا، اور اس طرح نہایت واضح انداز میں ہمیں بتا دیا کہ 'الحكمة' کا ایک معنی ایمان بھی ہے۔[34]

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

---

۲۹ ''یہ وہ 'اخلاقی تعلیم' ہے جو تمھارے رب نے تمھاری طرف وحی کی ہے'' (۱۷:۳۹)۔

۳۰ البقرہ ۲:۸۵۔

۳۱ جیسے اس آیت میں: 'ومن يفعل ذلك عدوانا وظلما' (النساء ۴:۳۰)۔

۳۲ مثلاً، اس آیت میں: 'قل انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والاثم والبغی بغير الحق' (الاعراف ۷:۳۳)۔

۳۳ الشوریٰ ۴۲:۵۲۔

۳۴ کتاب و حکمت، ان دونوں کے معنی کی طرف ایک مقام پر اکٹھے بھی اشارہ ہو گیا ہے۔ سورۂ جمعہ (۶۲) کی آیت 'يسبح لله ما فی السموات وما فی الارض الملك القدوس العزيز الحكيم' میں اللہ کی چار صفات کا ذکر ہے، اور اس کے بعد آیت ۲ 'هو الذی بعث فی الامين رسولا منهم يتلوا عليهم اٰيته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة' میں ان چاروں صفات کے تقاضے ترتیب وار بیان ہو گئے ہیں۔ اور ان میں سے عزیز کے مقابل میں قانون کی تعلیم اور حکیم کے مقابل میں حکمت کی تعلیم، غور طلب ہے۔ لیکن، بہرحال، یہ اشاراتی نوعیت ہی کی چیز ہے۔

کتاب وحکمت کا معنی

یہ بات ثابت ہوجانے کے بعد کہ کتاب قانون کے لیے اور حکمت ایمان واخلاق کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور ان کا یہ استعمال خود قرآن میں بھی ہوا ہے، اب دوسرے سوال کو لیتے ہیں۔ یعنی قرآن میں جب یہ ایک دوسرے پر عطف ہوکر آئیں تو کیا اس وقت بھی ان سے یہی مفاہیم مراد ہوتے ہیں؟ اس سوال کا جواب اس طرح دیا جاسکتا ہے:

زبان کا یہ عمومی عمل ہے کہ لفظ جس طرح سیاق کے بدل جانے سے تعمیم اور کبھی تخصیص میں چلا جاتا ہے، اسی طرح یہ کسی خاص لفظ کے ساتھ آجائے تو بھی اپنے اندر اس قسم کی تبدیلیاں پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔ اس عمل کو سمجھنے کے لیے بھی لفظ 'اثم' اور 'عدوان' کی مثال کفایت کرتی ہے۔ 'اثم' جو مطلق گناہ کے لیے اور 'عدوان' جو محض اقدام کے لیے بھی آجاتا ہے[۳۵]، ہم جانتے ہیں کہ جب یہ ایک دوسرے کے مقابل میں استعمال ہوں تو دیگر سب معانی سے مجرد ہوجاتے اور بالترتیب، حقوق کی تلفی اور ان پر تعدی کے ساتھ خاص ہوجاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح کتاب و حکمت کے الفاظ جن آیتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ آئے ہیں، وہاں تقابل کے اسی اصول پر یہ اپنے دوسرے معانی سے مجرد اور کچھ معنوں میں خاص ہوجاتے ہیں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وہ خاص معانی کیا ہیں؟ انھیں معلوم کرنے کا اصل طریقہ تو یہ ہے کہ تمام آیات کا تتبع کرلیا جائے اور جو معانی ہر جگہ ٹھیک بیٹھتے، منشائے متکلم کو واضح کرتے اور کلام کے مدعا کا صحیح ترین ابلاغ کرتے ہوں، انھیں اختیار کرلیا جائے۔ لیکن اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس سلسلے میں اگر کوئی وضاحت موجود ہو تو اس کو دیکھ لیا جائے۔ اس لیے کہ قرآن مجید میں اس طرح کی وضاحتیں، بالعموم، کی بھی جاتی ہیں؛ اور اس وضاحتی عمل کو تفصیل بعد از اجمال اور ایک دوسری اصطلاح میں توضیح بعد از ابہام کا نام دیا جاتا ہے۔ اس میں ہوتا یہ ہے کہ بعض اوقات کسی شے کو ابہام یا پھر اجمال میں ذکر کرنے کے بعد پھر اس کی توضیح اور تفصیل کردی جاتی ہے، اور یہ عمل کسی دوسری سورہ یا پھر اسی سورہ کی کسی دوسری آیت اور بعض مرتبہ اسی خاص آیت میں بھی ہوسکتا ہے۔ مسئلۂ زیر بحث میں یہ عمل یوں ہوا ہے کہ آیت 'ویعلمه الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل'[۳۶]۔ میں کتاب وحکمت کے بعد واو بیانیہ لایا گیا اور پھر یہ وضاحت کردی گئی کہ

۳۵؎ البقرہ ۲: ۱۹۳۔ حرب بسوس کے سلسلے میں کہا گیا الفند الزمانی کا یہ شعر بھی اس کی مثال ہوسکتا ہے: 'ولم یبق سوی العدوان دناهم کما دنوا'۔

۳۶؎ آل عمران ۳: ۴۸۔

یہ دونوں اپنی حقیقت میں تورات وانجیل ہی ہیں۔اب تورات چونکہ سراسر قانون اور انجیل محض ایمان واخلاق کے مباحث پر مشتمل ایک کتاب ہے[37]،اس لیے یہ بات بھی آپ سے آپ واضح ہوگئی کہ کتاب وحکمت سے مراد بھی اصل میں قانون اور ایمان واخلاق ہی ہیں۔نیز اسی وضاحت کی بنیاد پر ہر اس مقام کی بھی جس میں کتاب وحکمت کا اکٹھے ذکر ہوا تھا، وضاحت ہوگئی کہ وہاں بھی ان سے مراد، بہر حال، قانون اور ایمان واخلاق ہی ہیں۔

ہوسکتا ہے اس مقام پر کوئی یہ سوال کرے کہ کتاب وحکمت میں سے کس سے مراد قانون ہے اور کس سے مراد ایمان واخلاق ہے، اس بات کی یہاں کوئی دلیل نہیں، اس لیے یہ کیوں روا نہیں کہ ہم مذکورہ راے کے برعکس، کتاب سے ایمان واخلاق اور حکمت سے قانون مراد لے لیں؟ یہ جان لینے کے بعد کہ مذکورہ الفاظ جب الگ سے استعمال ہوں تو کتاب سے مراد قانون ہوتا اور حکمت سے مراد ایمان واخلاق ہوتے ہیں، مزید وضاحت کی ضرورت تو نہیں رہتی، مگر پھر بھی اس کا جواب ایک اور طریقے سے بھی دیا جاسکتا ہے۔وہ اس طرح کہ کسی بھی اچھے کلام میں بعض اوقات متعدد چیزوں کو بیان کرنے کے بعد ان کے متعلقہ امور کو انھی کی ترتیب میں اور کبھی اس سے اُلٹ ترتیب میں بیان کیا جاتا ہے۔یہ عمل ترتیب وار ہو تو بلاغت کی اصطلاح میں لف ونشر مرتب کہلاتا اور اگر اس کے برعکس ہو تو لف ونشر غیر مرتب کہلاتا ہے[38]۔اور ان دونوں میں سے متکلم نے کس عمل کو اختیار کیا ہے، اس میں فیصلہ کن شے بیان کردہ امور کے بارے میں قاری اور سامع کا ذاتی علم ہوتا ہے۔مثال کے طور پر ''یہ اسی کی رحمت ہے کہ اس نے تمھارے لیے رات اور دن بنائے تاکہ تم اس میں ـــــ سکون وآرام کرو اور اس میں ـــــ اس کا فضل تلاش کرو[39]''۔اس آیت میں ظاہر ہے، متکلم کو یہ بتانے کی کوئی حاجت نہیں کہ آرام کرنے اور روزی تلاش کرنے کے افعال دن اور رات میں سے کس کس سے متعلق ہیں۔اس لیے کہ ہر پڑھنے اور سننے والا اپنے علم کی بنیاد پر بخوبی جان لے سکتا ہے

۳۷؎ ان کی یہ حیثیت الہامی کتب کے ہر طالب علم پر تو واضح ہے، قرآن نے بھی اس کو واضح کر دیا ہے۔اس نے تورات کے کئی قوانین کا جابجا حوالہ دیا اور انجیل کے اصلاً حکمت پر مبنی ہونے کا بیان بھی کیا ہے، جیسے اس آیت میں: 'قد جئتکم بالحکمة' (الزخرف ۴۳:۶۳)۔

۳۸؎ اردو میں لف ونشر مرتب کی مثال کے لیے اقبال کا یہ شعر پڑھا جاسکتا ہے: پروانہ اک پتنگا، جگنو بھی اک پتنگا وہ روشنی کا طالب، یہ روشنی سراپا۔اور غیر مرتب کے لیے میر کا یہ شعر:

ایک سب آگ، ایک سب پانی
دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

۳۹؎ 'ومن رحمته جعل لکم الیل والنهار لتسکنوا فیه ولتبتغوا من فضله' (القصص ۲۸:۷۳)۔

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

کہ رات سکون و آرام سے اور دن روزی روٹی کی تلاش سے متعلق ہے۔ بالکل اسی طرح مذکورہ بالا آیت میں بھی جب کتاب وحکمت کے بعد تورات اور انجیل کے الفاظ آ جاتے ہیں تو قرآن کا ہر وہ طالب علم جو سابقہ الہامی کتب کا بھی کچھ نہ کچھ علم رکھتا ہو، نہایت آسانی سے جان لیتا ہے کہ یہاں لف ونشر مرتب ہوا ہے اور تورات کتاب کا اور انجیل حکمت ہی کا بیان ہے؛ اور نتیجتاً کتاب وحکمت سے مراد بالترتیب، قانون اور ایمان واخلاق ہی ہے۔

مذکورہ رائے کے مبنی بر دلائل ثابت ہو جانے کے بعد ضمنی طور پر ایک اور بات بھی اس کی تائید میں کہی جا سکتی ہے۔ وہ یہ کہ علمی لحاظ سے یہ انتہائی وقیع، قابل قدر اور بہت سی آیتوں کی شرح ووضاحت کرنے والی رائے تو ہے ہی، اسے اگر مان لیا جائے تو کئی دوسری حقیقتیں بھی دریافت ہونے لگتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک یہی بات کہ دین اپنی اصل میں دو چیزوں کا مجموعہ ہے: اس میں یا تو مابعد الطبیعیاتی اور اخلاقی اساسات کا بیان ہوتا ہے کہ جسے ایمانیات اور اخلاقیات کہتے ہیں، یا پھر انھی اساسات پر مبنی حدود، قیود اور کچھ مراسم کا بیان ہوتا ہے کہ جسے شریعت کا نام دیتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ دین کی یہ اتنی بڑی حقیقت تب ہی معلوم ہو سکتی ہے جب مذکورہ رائے کے مطابق آیات کو دیکھا جائے؛ اور بالخصوص، اس آیت کو: 'واذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیٖن لما اٰتیتکم من کتاب و حکمۃ'[۴۰]۔ اس میں قرآن نے بحیثیت مجموعی دین کا ذکر کرنے کے بجائے، جو اس کا عمومی انداز بھی ہے، متبادل کے طور پر اس کے اجزا، یعنی کتاب اور حکمت کو بیان کیا ہے اور اس طرح مذکورہ بالا حقیقت کی طرف گویا انگلی رکھ کر اشارہ کر دیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

---

[۴۰] آل عمران ۳: ۸۱۔